JOURNAL OF ACADEMIC RESEARCH FOR HUMANITIES ISSN 2663-192x

Journal of Academic Research for Humanities (JARH) Vol. 2, No. 2 (Apr-Jun 2022)

جعفر طاہر کی غزل کا تنقیدی جائزہ

Critical Analysis of Jaffar Tahir’s Ghazal

Published online: 30-9-2022

Khalid Mehmood Khan
PhD Scholar
Department of Urdu
Government College University
Faisalabad-Pakistan

Dr Muhammad Afzal Hameed
Associate Professor
Department of Urdu
Government College University
Faisalabad-Pakistan
afzalhameed2003@gmail.com

ABSTRACT

In the classical era, it was a defect to be an expert in a single art of poetry, that is, it was an annihilating defect. So along with Ghazals, other genres of verse were also tested. The lyricism of experts of different genres was suppressed, including Jaffar Tahir. Jaffar Tahir's innovation also presented a unique ideology of beauty and love in Ghazals. Jaffar Tahir imparted new meaning to classical verbosity. This article covers the multifaceted nature of Jaffar Tahir's art of Ghazal.

Keywords: *Classical; Poetry; Jaffer; beauty; Love; Ghazal;*

خاکہ

کلاسیکی دور میں شاعری کے کسی ایک فن کا ماہر ہونا ایک عیب تھا، یعنی فنا کرنے والا عیب تھا۔ چنانچہ غزل کے ساتھ ساتھ نظم کی دوسری صنفوں کو بھی آزمایا گیا۔ جعفر طاہر سمیت مختلف اصناف کے ماہرین کی گیت کو دبا دیا گیا۔ جعفر طاہر کی اختراع نے بھی غزل میں حسن و عشق کا منفرد نظریہ پیش کیا۔ جعفر طاہر نے کلاسیکی لفظیات کو نئے معنی بخشے۔ یہ مضمون جعفر طاہر کے فن غزل کی کثیر الجہتی نوعیت کا احاطہ کرتا ہے۔

اشاری الفاظ: کلاسیکی، شاعری، جعفر، حسن، عشق، غزل

ابتدائیہ:

جدید تر غزل کی بنیاد عصری آگہی پر ہے۔ اس حوالہ سے اہم نام احمد فراز، اطہر نفیس، منیر نیازی، سلیم احمد، محسن بھوپالی، امجد اسلام امجد، پروین شاکر، شیر افضل جعفری، ریاض مجید، نصرت صدیقی، صفدر سلیم سیال، ظفر اقبال، عباس تابش، اختر شمار، اور باقی احمد پوری وغیرہ ہیں۔ پس غزل ایک نغمۂ حیات آفریں کی مانند ہر دور کے رجحان و آواز کو اپنے اندر سمو کر اپنا سفر جاری و ساری رکھے ہوئے ہے۔ اردو غزل کا ایک اہم نام جعفر طاہر ہیں۔ جنھوں نے اپنی غزل کو اپنے درد اور اپنے دور کی آواز بنایا ہے (شاہ، 2009، ص ۲۲۷)۔

نہ سہی میری غزل غالب و مومن کی غزل
یہ میرے درد میرے دور کی آواز تو ہے

جعفر طاہر غزل میں ایک منفرد لب و لہجہ اور اسلوب کے مالک ہیں۔ انہوں نے غزل کی روایت کو استحکام بخشا ہے اور اس میں وسعت پیدا کی ہے۔ کلاسیکی روایت سے استفادہ کے باوجود جدت، ندرت اور انوکھے پن کی وجہ سے منفرد مقام پر فائز نظر آتے ہیں۔ انہوں نے اپنی صلاحیتوں کی بدولت روایتی مضامین میں ایک نیا خون دوڑایا ہے اور ان کو ایک نئے تناظر میں پیش کیا ہے۔ ان کو جدید غزل میں اپنی جدت زبان، اندازِ فکر، طرز احساس، اخلاق و مذہب کے موضوع، روحانی، نفسیاتی، سیاسی اور عصری موضوعات کی بنا پر بلند مقام حاصل ہے۔

ان کے اشعار جذبے کی سچائی میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ ان کی روح و قلب میں موجود نغمگی و موسیقیت ان کے اشعار میں جذب ہوتی چلی جاتی ہے۔ زبان غزل کی لطافت سے ہم آہنگ ہے۔ انسانی حیات اور معاشرتی رویوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کی غزل میں ترقی پسندانہ رجحان بھی ہے اور رومانی مزاج بھی موجود ہے۔ فطرت سے دلچسپی کا عنصر بھی ہے۔ عشق و محبت کے معاملات بھی بیان ہوئے ہیں اور تمدنی مسائل بھی نظر آتے ہیں۔ جمالیات سے لطف کا پہلو بھی ملتا ہے۔

روایت کی روشنی میں جعفر طاہر نے غزل کے دامن کو سنبھالا اور اسے دھیرے دھیرے آگے بڑھانے لگے۔ جعفر طاہر بنیادی طور پر نظم کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعرانہ مہارت نظم میں آتی ہے۔ ہر چند انہوں نے نظم کو ایک نئی راہ سے آشنا کروایا لیکن غزل میں بھی وہ ایک منفرد لب و لہجہ اور منفرد اسلوب کے مالک ہیں۔ ان کی بہت سی غزلیں معروف ادبی جریدوں نقوش، ماہِ نو، فنون، اوراق وغیرہ میں چھپتی رہیں۔

خیر الدین انصاری لکھتے ہیں: "جعفر طاہر نے نظم کے علاوہ صنفِ غزل کے گیسوؤں کو بھی سنوارا ہے وہ اس امر کا اقرار کرتا ہے کہ اس کی غزل غالب و مومن کی ہم پایہ نہیں، تاہم وہ اسے اپنے درد کی آواز کہتا ہے" (انصاری، 1982، ص ۲۱)۔

نہ سہی میری غزل غالب و مومن کی غزل
یہ میرے درد میرے دور کی آواز تو ہے

(شاہ، 2009، ص ۲۲۷)

جس ماحول میں جعفر طاہر کی غزل نے آنکھ کھولی، اس نے اس ماحول کے مختلف اثرات کو جذب کرتے ہوئے ایک نیا لہجہ اپنانے کی کوشش کی۔ جعفر طاہر بنیادی طور پر طویل نظم کے ماہر کے طور پر سامنے آئے۔ انہوں نے طویل نظم کی ہیئت میں تجربے کیے، مختلف ملکوں کی تاریخ کو نظم کرنے کی کوشش کی،

اس کی وجہ سے ان کی غزل گوئی ذرا دب کے رہ گئی۔ ان کے جذباتی وذہنی تجربات جب غزل کے سانچے میں ڈھلتے ہیں تو ان پر بھی نظم کا رنگ چھایا رہتا ہے لیکن ان کا تخیل نیا ہے اور اس تخیل نے نئے احساس و شعور کے زیر اثر ان گنت نئے پیکر تراشے ہیں جن کی بدولت ان کی غزل ایک اچھا خاصا نگار خانہ بن گئی اور اس نگار خانے میں جو تصویریں ہیں ان میں زندگی اور جولانی کا احساس ہوتا ہے(شاہ، 2009، ص182)۔

گلہائے رنگ رنگ ہیں افکارِ نوبہ نو
یہ رہ گزارِ شعر ہے کس گلستاں کی راہ
شاعرِ شہرِ وفا ہوں مرے رنگیں افکار
نغمہ و شعر بنے حسنِ جواں تک پہنچے

(شاہ، 2009، ص148)

کوئی اچھا شاعر روایت سے منہ موڑ کر آگے نہیں بڑھ سکتا بلکہ اچھا شاعر اپنی انفرادی صلاحیتوں کی مدد سے روایتی مضامین کو ایک نئے پس منظر اور تناظر میں پیش کرتا ہے۔ روایت دراصل ایک عظیم دریا ہے جس سے کچھ چیزیں شاعر اپنی مرضی سے منتخب کرتا ہے۔ ہر شاعر فکری اور احساساتی طور پر کلاسیکی شعرا کے اثرات قبول کرتا ہے۔ جعفر طاہر پر بھی کلاسیکی روایت کے اثرات مرتسم ہوئے۔ انہوں نے غزل کی اس روایت کا احترام کیا ہے اور اس سے استفادہ بھی کیا ہے۔انہوں نے اپنے کلام میں جابجا کلاسیکی شعرا کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اپنی اسی دبی دبی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ان کا شاعرانہ و لہجہ بھی میر، سودا، داغ اور آتش کے شاعرانہ لب ولہجہ سے ہم آہنگ ہو جائے۔

بات جب ہے زباں آتی ہو
میر و میرزا کی داغ و آتش کی

(تونسوی،1979، ص۴۴)

طاہر نے کلاسیکی غزل کے تمام مروجہ مضامین کو اپنانے کی کوشش کی ہے لیکن صرف کلاسیکی غزل کو پڑھ کر بڑی شاعری وجود میں نہیں آسکتی ہے۔ جعفر طاہر کی غزل پر کبھی کسی شاعر کا عکس نظر آتا ہے کبھی کسی دوسرے شاعر کا۔ یہ صورتِ حال اسلوب وموضوع دونوں سطحوں پر ہے۔

حسن و عشق جو کہ صنف غزل کی بنیادی موضوع ہے۔کوئی شاعر اس موضوع سے آنکھ چرا کر غزل نہیں کہہ سکتا۔ یہ موضوع تو غزل کی جان ہے، غزل کی روح ہے۔ حسن و عشق کے ذکر کے بغیر غزل ایک ایسے چراغ کی مانند ہوگی جس کا تیل ختم ہو گیا ہو۔ ایسی غزل ہمارے جذبہ و احساس کو چھو کر نہیں گزرے گی۔

ہماری اردو شاعری میں حسن و عشق کے مضامین کی ایک روایت قائم ہو گئی ہے۔ اگر ہم ولی دکنی کی غزل سے لے کر آج تک کی غزل کا جائزہ لیں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ ہماری شاعری میں محبوب کا بھی ایک خاص تصور ہے اور حسن کا بھی۔ اس طرح حسن وعشق کی ایک روایت بن گئی ہے جس میں ہر شاعر مشترک موضوعات، تلازمات اور خیالات کو بیان کرتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس روایتی دائرے کے اندر شاعر کے انفرادی احساسات اور تجربات کی کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتے بلکہ جب تک شاعر کا انفرادی تجربہ روایت سے مل کر کوئی نیا پیکر نہ

بنائے روایت جامد ہو کر رہ جائے۔ اس لیے اکثر شاعروں نے اسی روایتی دائرے کے اندر رہتے ہوئے حسن و عشق کے مضامین میں جدتین پیدا کیں۔ جعفر طاہر بھی انہی شعرا میں سے ایک ہیں کہ انہوں نے مضامینِ حسن و عشق کو بھی ایک نیا رنگ دے دیا ہے۔

طاہر تونسوی نے جعفر طاہر کے یہ اشعار مثال کے طور پر پیش کر کے اپنے خیالات کا اظہار کچھ یوں کیا ہے(شاہ،2009، ص235)۔

ہر لمحہ تیرے عشق میں عمرِ ابد بنا
جو دن بھی زندگی کے ملے عارضی نہ تھے
مرجھا کے بھی گئی نہ مہک جسمِ ناز کی
یہ موتیے کے پھول کوئی کاغذی نہ تھے

(شاہ،2009، ص235)

چھیڑ کر تذکرۂ دورِ جوانی رویا
رات یاروں کو سنا کر میں کہانی رویا

(شاہ،2009، ص99)

غیرت عشق نے کیا کیا نہ بہائے آنسو
سن کے باتیں تیری غیروں کی زبانی رویا

(شاہ،2009، ص99)

"ان اشعار میں خیال و جذبے کی جو بُنت ہوئی ہے اور اس سے متعلق الفاظ جس طرح استعمال کیے گیے ہیں وہ روایتی مضامین کو نیا بنا دیتے ہیں اور اس میں اس کا غزل کہنے کا انداز اور اسلوب دونوں صاف دکھائی دیتے ہیں"(تونسوی،1979، ص45)۔

جعفر طاہر کے ہاں تصور محبوب روایتی محبوب سے کسی قدر مختلف ہے۔ ہماری روایتی شاعری میں عاشق محبوب کی بے اعتنائی کی تاب نہ لا کر اپنی انفرادیت ختم کر دیتا ہے اور کوچہ یار میں سر گرداں رہتا ہے۔ وہ محبوب کے ظلم و ستم برداشت نہیں کرپاتا اور گریبان چاک کر کے صحراوں کی خاک چھانتا ہے، آہ وزاری کرتا ہے اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ رنگ زرد، لب پہ آہِ سرد، دل میں درد۔ محبوب کے تغافل سے تنگ آکر محبوب کو بے وفا اور ظالم کے القابات سے نوازتا ہے اسے اپنی محبت کے بر آنے کی امید کبھی نہیں ہوتی ہے لیکن جعفر طاہر کی غزل میں حسن و عشق کی ساری کیفیات ایک نئے، اچھوتے اور دلکش انداز میں ملتی ہیں۔ ان کا عاشق خود دار ہے، انانیت پسند ہے۔ وہ کوچہ محبوب میں جاناتو کجا اپنا حال دل بھی محبوب کے سامنے بیان کرنا پسند نہیں کرتا کہ اس کے الفاظ ہی اپنی وقعت کھو بیٹھیں گے۔

کس لیے ان سے عرض حال کریں
جانے وہ جی میں کیا خیال کریں

(شاہ،2009، ص135)

انہیں تو ہجر کے لمحات بھی عزیز ہیں۔ وہ وصلِ محبوب کی خواہش کا اظہار بھی کرتے ہے۔

لو لگائیں چراغ ہجراں سے
شب کو بیگانہ وصال کریں

(شاہ،2009، ص135)

جعفر طاہر کے مزاج کا نفیس پہلو یہ ہے کہ وہ محبوب کو کبھی الزام نہیں دیتے جب کہ ہماری روایتی شاعری میں محبوب کو ستم گر، دغاباز، ظالم اور بے وفا کے خطابات سے نوازا جاتا ہے اور

محبوب سے ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ نظرِ کرم ضرور کرے، عاشق کی محبت کو قبول کرتے ہوئے راہِ وفا پر اس کے ساتھ گامزن ہو جائے لیکن ایسا ممکن ہی نہیں ہوتا تو پھر محبوب بے وفا کے لقب کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

جعفر طاہر محبوب کو بے وفا کہنا تو درکنار وہ تو اس کی وفا کی نئی نئی توجیہیں پیش کرتے ہیں۔ میرے خیال میں طاہر کے مضامین عشق پر غالب کا گہرا اثر ہے کیونکہ غالب کے عاشق کی خصوصیات بھی یہی ہیں کہ وہ خود دار ہے، باوقار ہے، محبوب کے ظلم و ستم برداشت کرنے کی تاب رکھتا ہے اور اس کی بے وفائی کو بھی خوشدلی سے قبول کرتا ہے۔ جعفر طاہر کی غزل کا عاشق بھی انہی خصوصیات کا حامل ہے۔

وہ شوخ عربدہ جُو باوفا تو ہے طاہر
نہ کر سکا جو ہم ایں سے نباہ کیا کہیے

(شاہ،2009، ص243)

مل گئے خاک میں ہم لوگ تو پروا نہ کرو
کیا سے کیا ہو گئی اس شوخ کی محفل دیکھو

(شاہ،2009، ص147)

انہیں ستم گر عزیز ہے، ستم عزیز ہیں، ایک طرح سے ان میں اذیت طلبی ہے۔

خوش ہوں جفائے یارو خیالِ رقیب سے
اس دل کو ہر طرح کے ستمگر عزیز ہیں

(شاہ،2009، ص146)

اس کم نگاہیوں کی خلش ہم سے پوچھیے
یہ نیمچے ، یہ خار، یہ نشتر عزیز ہیں

(شاہ،2009، ص146)

ان احمریں لبوں کی خموشی بھی ہے پسند
چشمِ سخن سرا کے بھی تیور عزیز ہیں

(شاہ،2009، ص147)

طاہر کو عشق میں مر کر جینا پسند ہے۔ وہ عشق میں مرنے کو زیست کرنے کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ عشق میں مر کر ہی انہیں ایسا مقام نصیب ہوتا ہے کہ ان کا ہر فعل کرامت بن جاتا ہے۔ یہ ان کے عشق کی سربلندی کا نتیجہ ہے اور عشق میں پاکیزگی کی مثال ہے۔ ان کے عشق میں تقدس ہے۔ نگاہِ یار ان کے لیے بشارت بن جاتی ہے۔

نگاہِ یار نے دی ہیں بشارتیں کیا کیا
نہ پوچھ عشق میں کیا ہیں جسارتیں کیا کیا

(شاہ،2009، ص117)

کسی کے عشق میں مر مر کے ہم نے پیدا کیں
کرامتوں کے علاوہ مہارتیں کیا کیا

(شاہ،ن م، ص118)

ہم نے تو خود سے بھی نہ کبھی تیری بات کی
ہوتی ہیں ورنہ عشق میں رسوائیاں بہت

(شاہ،2009، ص101)

جعفر طاہر کی غزل میں حسن کا تصور ایک اچھوتے اور منفرد رنگ میں نظر آتا ہے۔ وہ حسن کی پرستش کرتے ہیں۔ انہوں نے حسن کے ساتھ تقدس وابستہ کر دیا ہے۔ یہ نکھرا نکھرا، سنورا سنورا، سجل سجل، پاکیزہ حسن ہے جو ان کی غزل میں بکھرا ہوا

نظر آتا ہے۔ ایک اور بات یہ ہے کہ ان کے ہاں کہیں کہیں ڈھلتا ہوا حسن بھی نظر آتا ہے۔ وہ حسن جو شباب کی منزلوں سے گزر کر شب کی وادیوں میں قدم رکھ رہا ہے لیکن اس حسن میں جوانی جیسا آہنگ و رنگ ہے۔

اس ڈھلتے ہوئے حسن کے لکھتا ہوں قصیدے
گرتی ہوئی دیوارِ حرم تھام رہا ہوں
(شاہ، 2009، ص128)

گیت اس ڈھلتے ہوئے حسن پہ کیا کیا نہ کہے
بار ہا ڈوبتے سورج کو ابھارا ہم نے
(شاہ، 2009، ص217)

حسن میں شانِ کریمی کی ادائیں ساری
عشق میں ساری خطائیں ہیں ثوابوں کی طرح
(شاہ، 2009، ص104)

وہ موتیے کے ہار ستاروں کی تختیاں
صبح چمن کا نور کسی کے بدن پہ تھا
(شاہ، 2009، ص80)

اسی حسن کی تابندگی کو فروزاں رکھنے کے لیے وہ دعائیں کرتے ہیں کہ یہ حسن ہمیشہ قائم و دائم رہے اور تا ابد فروزاں رہے۔

یہ کاکلوں میں چنبیلی کے پھول کھلتے رہیں
شبِ بہار کی چشم ستارہ بار کی خیر
گلاب چہروں کے یارب یونہی مہکتے رہیں
نسیم نازو نگارانِ گل عذار کی خیر
(شاہ، ن م، ص123)

جعفر طاہر کے ہاں عشق مجازی سے عشق حقیقی کی طرف جانے کا رجحان ہے۔ وہ حسنِ مجازی کے آئینے میں حسنِ حقیقی کو دیکھتے ہیں۔ ان کے عشق میں بہت جلد وہ مقام آجاتا ہے کہ حسنِ الٰہی چہار سو پھیل جاتا ہے اور ان کی ذات میں عشق حقیقی سما جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو یہ ہوتا ہے کہ انہیں کوئے بتان کی راہ کوئے حرم سے نکلتی ہوئی نظر آتی ہے اور پھر وہ حیرانی سے کہتے ہیں:

کوئے حرم سے نکلتی ہے کوئے بتاں کی راہ
ہائے کہاں یہ آکے ملی ہے کہاں کی راہ
صد آسماں بد امن و صد کہکشاں بدوش
بامِ بلند یار تیرے آستاروں کی راہ
(شاہ، 2009، ص141)

جعفر طاہر عشقِ مجازی کی سرحدوں سے گزر کر معشوقِ حقیقی خدا تعالیٰ کی ذات میں گم ہو جاتے ہیں۔ وہ مشتِ خاک کے عشق میں ہی ڈوب نہیں جاتے بلکہ اگلی منزلوں کی طرف بڑھ جاتے ہیں، انہیں وصلِ محبوب کی خواہش نہیں ہے۔ وہ تو اپنے عشق میں سرمست آگے آگے بڑھتے جاتے ہیں اور پھر محبوبِ حقیقی کے عشق میں اس طرح کھو جاتے ہیں کہ:

آئینۂ حیات میں ہر عکس دل پذیر
کچھ یوں نظر پڑا ہے کہ حیرانیاں رہیں
(شاہ، 2009، ص141)

حسن بتاں تو آئینۂ حسنِ ذات ہے
زاہد کو اس میں کفر پرستی نظر پڑی
(شاہ، 2009، ص183)

ذکرِ پری و شان کے زمانے گزر گئے

اب تو غزل میں حمد و مناجات چاہیے

(شاہ، 2009، ص 239)

ہو بیاں جو قامت و زلف کا تو ثبوتِ سایہ کبریا

کوئی بات عارض ولب کی ہو تو حدیث مصحف و جام ہے

(شاہ، 2009، ص 223)

یہ جعفر طاہر کے خیالات کا حسن ہے، پاکیزگی ہے جو کہ ان کی غزلوں میں سما گیا ہے۔ اتنا پاکیزہ، مقدس، حجاب والا، دلپذیر اور نکھرا نکھرا حسن بہت کم شاعروں کے یہاں نظر آئے گا۔ اس حسن میں اتنا تقدس ہے کہ اسے دیکھ کر جعفر طاہر کی نظریں احتراماً جھک جاتی ہیں۔ وہ محبوب کے قامت و زلف کا ثبوت "سایہ کبریا" مہیا کرتے ہیں۔ عارض ولب کی بات ان کے نزدیک "حدیثِ مصحف و جام" ہے۔ اس حسن تک رسائی صرف اہلِ نظر کی ہو سکتی ہے اس کائنات میں جعفر کو جو بھی حسن نظر آتا ہے وہ اس میں حسنِ حقیقی کے متلاشی رہتے ہیں وہ حسن کو "حسن" ہی کی نظر سے دیکھتے ہیں ان کی حسن پرستی میں لذت کوشی کا عنصر شامل نہیں ہے بلکہ اس حسن پرستی میں عبودیت کا جذبہ ہے، احترام ہے، وہی احترام کی کیفیت جو میر کے ہاں ہے۔

دور بیٹھا غبارِ میر اس سے

عشق بِن یہ ادب نہیں آتا

(میر، 1976، ص 59)

یہی احترام اور احساسِ عبودیت جعفر طاہر کے ہاں نظر آتا ہے۔ ان کے ہاں یہ خواہش کم ہی مچلتی ہوئی نظر آتی ہے کہ وہ حسن کو چھوئیں وہ تو نظروں سے اسے دیکھتے ہیں اور دل میں اتار کو آنکھیں بند کر کے چپکے چپکے اس کی پوجا کرتے رہتے ہیں اسی وجہ سے جعفر طاہر کی غزلوں میں تصوف کی چاشنی موجود ہے۔ وہ حسنِ مجازی میں حسنِ حقیقی کا جلوہ دیکھتے ہیں، سوچتے ہیں اور حیران ہو جاتے ہیں۔ ان کی فکر بلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز رہتی ہے۔ وہ کسی ایک جگہ پر جا کر ٹھہر نہیں جاتی بلکہ آگے سے آگے بڑھتی جاتی ہے۔ ان کی فکر کا مقام متعین نہیں ہے۔۔

حوالہ جات:

شاہ، سلیم تقی۔(2009)غزلیاتِ جعفر طاہر (تحقیق، ترتیب و تجزیہ)، فیصل آباد: مثال پبلشرز، ص ۲۲۷

انصاری، خیر الدین۔ (1982) سخن مست قلندر۔ جعفر طاہر، مشمولہ: سب رس۔ یادرفتگان نمبر، کراچی، ص ۲۱

شاہ، سلیم تقی۔(ن م)۔ تدوین کلام جعفر طاہر، مقالہ پی ایچ ڈی اُردو، مخزونہ جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد، ص ۱۴۸

تونسوی، طاہر۔(1979) نشاط شب ہجراں کا شاعر، مشمولہ: تجزیے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ص ۴۴

میر درد، (1976)، کلیاتِ میر، جلد اوّل، مرتبہ: کلب علی فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل، ص ۵۹